Research Journal
Tahqeeqat

تحقیقات ریسرچ جرنل

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

اسحاق وردگ کی غزل میں شعری لفظیات ولسانی تجربات: ایک جائزہ

Poetic Diction and linguistic Exprimentation in Ishaq Wardag's Ghazal Poetry: a review

Saima Naureen Bukhari
PhD Scholar Department of Urdu,
Bahauddin Zakariya University Multan
Dr. Sara Majeed
Lecturer Department of Urdu,
The Women University Multan

صائمہ نورین بخاری
پی ایچ-ڈی اسکالر شعبہ اردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر سارہ مجید
لیکچرار شعبہ اردو، وومن یونیورسٹی، ملتان

Abstract

Ishaq Wardag is a distingvished and esteemed poet of modern Urdu ghazal, poetry, renowned for his remarkable contribution to the genre in the twenty first century. He occupies a position of prominence among the poets from Khyber Pakhtunkhwa province who have played a pivotal role in revitalizing the traditional Urdu ghazal goi. This article sheds light on the poetic diction and linguistic experimentation in ishaq wardag's Urdu Ghazal poetry, highlighting how his unique and modern approach has infused a fresh vitality into the traditional genre. Wardag's poetic diction, characterized by simplicity, clarity and depth, has raised the bar for Urdu ghazal poetry, while his bold linguistic experiments have expanded the expressive possibilities of Urdu language. By combining traditional and modern expressions, wardag has crafted a distinctive poetic style that is both rooted in tradition and relevant to contemporary concerns. His innovative approadh has not only revitalized the Urdu ghazal tradition but also paved the way for a new generation of poets to explore fresh modes of expression, poetic diction, conduct of urdu ghazal, cementing Wardag's position as a pioneering figure in modern Urdu ghazal poetry. Through his work, Wardag has not only expanded the expressive possiblitities of the Urdu language but also provided a powerful platform for exploring complexities of human experiences love, loss, fear, terror, pandamic, existence, culture, roots and identity.

Keywords: *Ishaq Wardag, Urdu modern ghazal, Poetic diction, Conduct, linguistic experiments.*

کلیدی الفاظ: اسحاق وردگ، جدید اردو غزل، تغزل، شعری لفظیات، شاعرانہ برتاؤ، لسانی تجربات

الفاظ کا چناؤ اور اسلوب بیان شعر و سخن میں نہایت قدر و قیمت کا حامل ہے۔ طرز تحریر ہو یا طرز تقریر ہر دور میں لفظیات کا اثر، شاعر و ادیب کے اسلوب کی پہچان بن جاتا ہے۔ لفظیات کو انگریزی میں Diction کہا جاتا ہے۔ اسلوب اور انداز بیان میں لفظیات کے مطالعہ سے شاعر و نثر نگار کی نفسیاتی کیفیات اور کشاکش کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لفظیات، تخلیق کار کے شعور اور غیر شعوری رجحانات کی عکاس ہوتی ہیں۔ اسلوب کے تنوع، شاعر یا نثر نگار کا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے اس کی شاعری و نثر میں موجود لفظیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

شاعری میں نثر نگاری کی نسبت، الفاظ کا چناؤ اس لیے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ شاعر کو چند مصرعوں، ایک غزل یا ایک نظم کی صورت میں دریا کو کوزے میں بند کر کے اپنی دلی کیفیات و قلبی واردات اور تخیل پرواز بیان کرنا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام تر حساسیت کو بیان کرنے کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جو اس کے جذبات کے صحیح ترجمان بن جائیں۔ لفظیات کا برتاؤ ایک شاعر کا اصل فن قرار دیا جاتا ہے۔ لفظیات کی معیاری تعریف کے مطابق:

"لفظیات کے معنی الفاظ کا انتخاب اور صحیح استعمال، طرز تحریر اور طرزِ تقریر ہے۔"(۱)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظیات دراصل کسی زبان، مصنف یا شخص کا لفظی سرمایہ ہے اس سے مراد وہ ذخیرہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے ابلاغ ممکن بنایا جاتا ہے۔ لفظوں کی با معنی ترتیب سے انسانی فکر کو منسلک کرنے کا عمل قدیم اور دائمی ہے۔ یہ عمل ارتقاء پذیر بھی ہے۔ لفظ اور خیال ایک

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم کا رشتہ اختیار کرتے ہوئے ہر عہد، ہر دور ثقافت وزبان اور تہذیب وتمدن کے عکاس بن جاتے ہیں۔ جہاں لفظوں کی بامعنی ترتیب سے ایک فن پارہ وجود میں آتا ہے وہیں لفظوں کی تک بندی یا مشکل پسندی ایک عمدہ فکر یا ندرت خیال کو بے معنی کر دیتی ہے۔ لفظ انسانی فکر کے بغیر ادھورے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب سے فکری سیاق وسباق کی معنویت نکھر جاتی ہے۔ انسانی فکر اپنے اظہار کے پیرائے، لفظوں کی صورت میں ڈھالنے کے لیے معنیاتی فضا تلاش کرتی رہتی ہے۔ زبانوں کے ادغام کا عمل لسانی تجربات سے گزرتا ہوا، معاشرے کے رواجوں کے مطابق جاری رہتا ہے۔ شاعر، ادیب، تخلیق کار اپنے فن کو نکھارنے اور معنویت وابلاغ پیدا کرنے کے لئے لسانی تجربات سے کام لیتے ہیں۔ لسانی تجربات میں ابلاغ، شعری فکر کی اہم ترین خوبی ہے۔ ہر بڑا شاعر، ندرت وجدت کی حامل لفظیات کو اپنی شعری فکر میں سمونا ضروری سمجھتا ہے اور اپنی شاعری میں منفرد لسانی تجربات، رجحان سازی کے ضمن میں کرنا، اہم گردانتا ہے۔ تحسین فراقی لکھتے ہیں:

"اہل نظر جانتے ہیں کہ اچھی شاعری کی جوہری بنت منطق نہیں، شاعرانہ ہوتی ہے"۔(۲)

زبان وبیان میں لفظوں پر ان کی معنیات کے حوالے سے غور وفکر کرنا جتنا ضروری ہے وہاں روایتی اور کلاسیکی لفظیات میں نئی معنیاتی اختراع کرنا بھی ناگزیر ہے۔ کسی بھی زندہ زبان میں عناصرِ فطرت کی طرح ایک ایسی طاقت موجود ہوتی ہے جو ماورائے عقل ہے۔ شاعر لفظیات کا سہارا لے کر ، اپنے تخیل کو معنی خیز تراکیب سے باطنی منظر Inscape عطا کرتا ہے اور جذباتی کیفیات سے مالامال کر دیتا ہے۔

شعری لفظیات اور لسانی تجربات کے ذریعے شاعر کی ذات کا منطقی انکشاف ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ خارجی دنیا سے شاعر کا گہرا تعلق قائم نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر، "تنقیدی دبستان" میں کولرج کے تصوراتِ شاعری، نظم کے اولین مقصد، صداقت کی ترجمانی، ابلاغ، مسرت اور الفاظ کے استعمال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "کولرج کی دانست میں نظم مختلف اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے اس لیے اچھی نظم وہ ہے جس میں کل کا ہر جزو بھی اپنی انفرادی حیثیت میں قاری کے لیے سامان مسرت بہم پہنچانے کا موجب بنے اس کے لیے شاعر کو زبان کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہیے کیوں کہ موزوں اور مناسب الفاظ سے ہی وہ مسرت پہنچانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔"(۳)

ڈاکٹر اسحاق وردگ سرزمین پاکستان کے خوب صورت صوبے خیبر پختونخوا کے شہر گل، پشاور سے تعلق رکھتے ہیں۔ جدید اندازِ فکر کے منفرد شاعر کی حیثیت سے وہ نا صرف اندرون ملک پذیرائی حاصل کر چکے ہیں بلکہ بیرون ملک بھی ان کی جدت فکر کو ادبی حلقوں میں سراہا جا رہا ہے۔ ان کے آبائی گاؤں دیر کی فضائیں اور حسین سرسبز مناظر، خوشبو، بہار اور خزاں کے رنگوں سے بھرپور ہیں۔ یہ دل کش ماحول ان کی شاعری کا بنیادی حوالہ ہے۔ پشتو زبان وتہذیب اور ثقافت کے اثرات ان کی ابتدائی شاعری سے عیاں ہیں۔ ان کے اولین شعری مجموعے "شہر میں گاؤں کے پرندے" میں وہ قاری کو اپنے شعری تجربے کے ایک ایسے منفرد احساس سے روشناس کرتے ہیں جو جدید انداز فکر کے امتزاج کے ساتھ ان کی شعری لفظیات کا عکاس بن جاتا ہے۔ سکول، کالج اور یونیورسٹی کا ماحول، دیہی، نیم شہری اور شہری فضا، روزمرہ بول چال یہ عوامل ایک شاعر کی لفظی دنیا پر شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس تناظر میں اسحاق وردگ اپنی سوچ، فکر، تخیل اور جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے جن لفظوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان منتخب کردہ الفاظ میں ان کا شعری آہنگ ترتیب وتشکیل کی منازل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کی شعری لفظیات میں کوئی مخصوص لسانی رنگ غالب نہیں ہے۔ بلکہ فنی وفکری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا جداگانہ اسلوب وضع کیا ہے۔ یہاں قابل ذکر امر یہ ہے کہ اسحاق وردگ نے اپنی شعری لفظیات اور لسانی تجربات کو لسانی تشکیلات کی تحریک کی شدت پسندی پر مشتمل اثرات

سے اس طرح محفوظ رکھا ہے کہ زبان کے بنیادی ضابطے قائم ودائم رہتے ہیں اور غزل کا حسن بھی برقرار رہتا ہے۔ وہ لفظوں کے مزاج کو بخوبی سمجھتے ہیں اور غزل کے آہنگ کو تشکیل دیتے ہیں:

میں اپنے خواب کی تکمیل کر نہیں سکتا کسی کا خواب مری آنکھ میں رکا ہوا ہے۔(۴)

معیاری شاعری اس تخلیق کار کا بہترین فن ٹھہرتی ہے جب وہ فکری تسلسل Thought Process سے گزرتی ہوئی لفظیات کے بہترین انتخاب اور مناسب ترین برتاؤ کے بعد سرشاری وعلویت کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ اسحاق وردگ کی شاعری میں شعری لفظیات اور لسانی تجربات کی بحث اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ اردو زبان کی انجذاب پذیری اور مختلف زبانوں کے ادغام اور لسانی تغیرات کو سمجھا جائے۔ اردو زبان نے ایک مخلوط زبان کی حیثیت سے اپنا ارتقائی سفر طے کیا۔ اردو زبان وادب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اردو زبان میں اپنے اندر الفاظ کو سمونے کی خوبی دیگر زندہ زبانوں کی مانند بھرپور ہے۔ اردو کی موجودہ صورت حال دراصل مختلف زبانوں کے ادغام کا نتیجہ ہے۔ فارسی، عربی، ہندی، ترکی اور انگریزی کے بے شمار لفظوں کو اپنے اندر جذب کرتی ہوئی اردو زبان، اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اس نے علاقائی زبانوں سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھا ہے۔ محمد حسین آزاد آب حیات میں رقم طراز ہیں:

> "زبان کا قانون دھرم اور حکمت کے قانون سے بھی سخت ہے کیوں کہ اسے گھڑی گھڑی پل پل کی ضرورتیں مدد دیتی ہیں، دو قوموں کے ارتباط میں ایسا اختلاط ضرور ہوتا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں"(۵)

ان اسباب میں زبانوں کے الفاظ اور ضرورت کے مطابق معنی کا تبادلہ فتح یاب طبقوں کا انداز گفتگو، وطن داری، مہمان داری، ملکی اور غیر ملکی سفر کے دوران لسانی تبادلہ اور لسانی ملاپ، قانون وآئین کی زبان، ثقافتی اسباب اور تاریخی وجغرافیائی تبدیلیاں شامل ہیں۔

مندرجہ بالا تمام تر عوامل کے باعث اردو زبان کی نشوونما ہوتی رہی۔ اردو کا مزاج بدلتا رہا۔ کاروباری طبقے، پیشہ وارانہ شعبہ جات، فنون، لطیفہ سے وابستہ افراد میں اردو اپنے اپنے انداز میں ترجمان بنتی رہی۔ اردو زبان ہندوؤں کے ساتھ، ہندی مسلمانوں جو اکثر ایرانیوں یا ترکستانیوں کی نسل سے تھے ان سے لین دین، نشست وبرخاست کی ضرورتوں کے سبب وجود میں آئی۔ ہندوستان میں مقیم ہندی مسلمان، ہندوستان کو اپنا وطن قرار دیتے ہوئے اردو زبان کو اپنی زبان سمجھتے ہوئے اپنانے لگے۔ ہر قوم اور علاقے کی تہذیب وثقافت کے مطابق اس کا ادب پروان چڑھتا ہے۔ جو وہاں نشوونما پانے والی زبان کا امین اور مستقبل میں بدلتے ہوئے رجحانات کا ترجمان بھی ہوتا ہے جب اٹھارویں صدی میں غزل کے باوا آدم قرار دیے جانے والے ولی دکنی کا دیوان شمالی ہند پہنچ کر مقبولیت کا شرف حاصل کر چکا تو کئی شعراء نے کتب شاہی، عادل شاہی، انداز غزل کی بجائے ولی دکنی کے اندازِ سخن کو اپناتے ہوئے اردو غزل کہنا شروع کی۔ ولی دکنی نے غزل کی بنیادیں اردو زبان پر استوار کیں۔

اردو غزل ایہام گوئی کی تحریک کے اختتام کے بعد میر وسودا کے عہد زریں میں داخل ہوئی۔ دلی میں نادر شاہ کے حملوں نے سکون غارت کیا تو شعرا کی ہجرت کا مرکز لکھنو شہر بن گیا اور لکھنوی اردو غزل کے عبوری دور کی شروعات ہوئی۔ مصحفی، جرات، انشاء کے بعد غزل کے دوسرے دور کا آغاز آتش وناسخ" کے عہد میں داخل ہو گیا۔ جہاں خارجیت کا عنصر، داخلیت کی بجائے نمایاں رہا۔ انیسویں صدی میں شعراء نے بڑی تعداد میں دلی کی جانب منتقلی کے قدم بڑھائے کیوں کہ انگریزوں نے دلی پر قابض ہوتے ہی امن اور رونق بحال کرنے پر توجہ دی اور اس عہد میں لکھنو ثقافت کے اثرات دہلی کے زبان وادب پر نمایاں ہوئے۔ مومن، شاہ نصیر، شیفتہ، حالی، ذوق اور بہادر شاہ ظفر جیسے نمائندہ شعراء کے ساتھ، اس دور کا سب سے بڑا حوالہ مرزا اسد اللہ خاں غالب تھے۔

رفیع الدین ہاشمی غالب کی جدت پسندی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"غالب اپنے جدت پسند مزاج کے سبب پامال روشوں پر چلنا پسند کرتے ہیں۔ ان کا انداز سب سے منفرد ہے"(۶)

دور غالب کے بعد حالی کی اصلاح کے نتیجے میں اردو غزل کی دہری روایت ابھر کر سامنے آئی۔ کلاسیکی روایت کے امین اور جدت طرازی کے قائل، نامور شعراء میں حسرت، یگانہ، فانی، جگر وغیرہ نے غزل کو مصنوعی اعتبار سے وسعت دی ان کے بعد علامہ اقبال نے اردو غزل کو ایک نیا کینوس عطا کیا جس میں شعری لفظیات غزل میں عصری حسیات قومی اور سماجی مسائل کا ترجمان بن کر سامنے آئیں۔ فنی و فکری اعتبار سے اردو غزل روایتی مضامین، گل و بلبل، حسن و عشق اور ہجر و وصال کی کیفیات کے بیان سے نکل کر حقیقت پسندانہ دور یعنی "نیچرل شاعری" کے دور میں داخل ہو گئی۔ رومانوی تحریک کے زیر اثر اردو غزل نے اپنی راہیں خود تلاش کیں۔ حفیظ جالندھری اور اختر شیرانی نے لطیف پیرائے میں اردو غزل کی نمائندگی کی۔

ترقی پسند تحریک کے ابتدائی دور میں غزل کی مخالفت میں ایک اور روش سامنے آئی جب تجربات کی دھن میں نظم کی ہیت سے متعلق تکنیکی تجربے کیے گئے اور غزل پر ریزہ خیالی کا الزام لگا کر آزادانہ خیال کے اظہار کے تصور کو ابھارا گیا۔ قافیے اور ردیف کی پابندی کو غیر قدرتی اور مصنوعی قرار دیا گیا اور غزل کو ایک درباری صنف قرار دے کر نظم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

"نقاد حضرات نے اور اساتذہ نے ان دلائل کو تسلیم نہ کیا بلکہ ان نظریات کو ناپختہ ذہنوں کے علمی فقدان سے تعبیر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غزل کی مخالفت کی منفی رو جو محض مفروضات پر مبنی تھی۔ جلد ہی ختم ہو گئی اور غزل کی ترقی ایک معمولی سے وقفے کے سوا اپنی طبعی رفتار سے بڑھتی رہی۔"(۷)

اس اجمال کا تذکرہ اس لیے ناگریز تھا کہ اسحاق وردگ بھی شعراء کے اس قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو غزل کو اردو کی اہم ترین صنف سمجھ کر، غزل کی عظمت کے معترف ہیں۔ وہ مصنوعی تبدیلیوں کو غزل میں سمو کر، جذبات و احساسات کا اظہار کرنا جانتے ہیں۔ ان کے ہاں غزل کی ہیت، قافیہ اور ردیف کی پابند نظر آتی ہے۔ یعنی ان کی غزل میں تقلید کا انداز ملتا ہے لیکن شعر آفرینی کے لیے وہ شعری لفظیات کو اس طرح برتتے ہیں کہ ہر لفظ، ایک نئے خیال کے روپ میں ڈھل کر روایتی شعری انداز کو یکسانیت کی دنیا سے باہر نکال دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل اشعار ان کے Diction کی وضاحت کرتے ہوئے غزل کی نغمگی تغزل اور فضا کو جدید رنگ ڈھنگ میں ڈھال رہے ہیں۔ لفظیات کے عمدہ برتاؤ کے سبب غم و آلام، خوف کی فضا کی ترجمانی اور فرد کی تنہائی اس غزل میں شدت محسوس کی جا سکتی ہے۔ اسحاق وردگ کہتے ہیں:

فلک کی شاخ سے لپٹا ہوا ملا مجھ کو — وہ اک ستارا جو روتا ہوا ملا مجھ کو
عجیب خوف مرے ذہن میں بٹھا گیا ہے — پرندہ رات کو اڑتا ہوا ملا مجھ کو
نجانے کون سے منظر کو دیکھ کر سورج — بوقت شام سسکتا ہوا ملا مجھ کو
وہ اپنے آپ کو پہچان ہی نہیں پایا — وہ آئینے سے جھگڑتا ہوا ملا مجھ کو
میں سبز نیند سے واپس کبھی نہیں پلٹا — وہ زرد خواب سے لپٹا ہوا ملا مجھ کو(۸)

اسحاق وردگ کا شعری اسلوب جدید لفظیات اورخوش کن لسانی تجربات سے مزین نظر آتاہے۔شہر، گاؤں ، پرندے ، حسن، فطرت، مسند، شرح، دل، خاک زاد، قلندر، خانقاہ، نامزد، سلطنت، دستار، کباڑخانے، کرامت ، کارخانہ، چائے خانہ ، کردار ، دعا، دشت، کہانی، فاختہ، اعصاب، فلک، پناہ گاہ، زندیق، رہائش، معزول، وقت، آئینہ، مذہب، زائچہ، رابطہ، قہقہہ، بغاوت یہ تمام لفظیات ان کے شعری مزاج کی بنیاد بنتے ہیں اور نہایت تخلیقی طور پر، منفرد انداز میں برتے گئے ہیں۔ان کی غزل کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

؎ گلی کا موڑ مری سلطنت میں شامل تھا گلی کے موڑ پر جلتا تھا جب دیا میرا

؎ وہ شہر دشت ہمیشہ سے میری منزل ہے ہے پانیوں پر ہمیشہ سے راستہ میرا(۹)

کوئی زبان، جس طرح شعر و نثر کے بغیر نہیں رہ سکتی اسی طرح خیالات کی رنگینیاں اور محسوسات، شعری لفظیات اور لسانی تجربات کے بنا نہیں رہ سکتے۔ خیبر پختونخوا کی شاعری کا مزاج جدت سے زیادہ قدامت پرستی پر راغب ہے۔ اکیسویں صدی میں اسحاق وردگ نے انگریزی الفاظ کا استعمال شاعری میں تجرباتی طور پر اس طرح کیا ہے کہ شمس الرحمن فاروقی کے اس بیان کی تصدیق ہوگئی ہے۔ جس میں انہوں نے دخیل لفظ کے بارے میں واضح کیا تھا:

> "جب کوئی لفظ ہماری زبان میں آگیا تو وہ ہمارا ہوگیا اور ہم اس کے ساتھ وہی سلوک روا رکھیں گے جو اپنی زبان کے اصلی لفظوں کے ساتھ رکھتے ہیں"۔(۱۰)

علم لسانیات میں زبان کے ارتقاء و تشکیل کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ اور معنی کے رشتہ سے لغات اور قواعد وجود میں آتے ہیں۔ ماہرین لسانیات کے مطابق لفظوں کی جادوئی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے کسی عامل جوتشی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سر راہ کسی بھی اجنبی شخص کو نامناسب انداز یا اپنائیت بھرے الفاظ سے مخاطب کر کے دیکھ لیجئے، لفظوں کی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ وہ لوگ جو سننے اور بولنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سب لفظوں کے رہین منت ہیں۔ دور قدیم میں جب انسان نے بے معنی آوازوں، اشاروں کو زبان کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ مختلف آوازوں، چیخوں کو ٹوٹے پھوٹے لفظوں کا روپ دے کر، سینکڑوں نہیں بلکہ لاکھوں سال کے بعد تحریر کا فن سیکھا۔ اس طرح زبانیں وجود میں آکر نسل در نسل شعر و ادب کا حصہ بنتی رہیں۔ علم انسان میں لفظ انسان کی ضرورت بن کر ساتھ رہے۔ تاریخ کے تانے بانے لفظیات کے ذریعے بنائے جاتے رہے۔ خشک، بے ربط، نامانوس لفظیات، شعر ادب میں شامل ہوئیں مگر فکری انبساط پیدا نہیں کر سکیں۔

اسحاق وردگ نے Communication پر بھرپور توجہ دیتے ہوئے اپنے شعری لفظیات کو خارجی عملیت کے رعب و دبدبہ سے الگ رکھا ہے۔ ان کا شعری اسلوب، سادہ اور رواں دواں ہونے کے سبب کہیں بھی کھوکھلی علمیت کا منظر پیش نہیں کرتا۔ انہوں نے اپنی مٹی سے جڑے رہتے ہوئے، غیر ملکی لفظیات کو خوشگوار انداز میں قاری کی تفہیم کے مطابق برتا ہے۔ شاہ روم ولیؔ، اسحاق وردگ کی شعری لفظیات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اسحاق وردگ غزل کے ایک کامیاب شاعر ہیں۔ ان کا غزلیہ اسلوب روایت میں رچا بسا، جدید رنگ و آہنگ میں ڈوبا، معاصر رجحانات و تقاضوں کی افادیت سے معمور، فکر و فن کی بالیدگی و بلندی سے سرشار شاعری کا ایک جیتا جاگتا مرقع ہے۔ وہ پرانے الفاظ کو نئے معنی و مفاہیم عطا کر کے اپنے منفرد تخلیقی اندازِ سخن کا ثبوت دیتے ہیں"۔(۱۱)

اسحاق وردگ کی شعری لفظیات میں سادہ الفاظ اور با معنی لفظوں سے ندرت بیان کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

؎باندھ دیتا ہوں دھوپ ساحل پر　　کشتیاں موم کی بناتا ہوں

؎سانس ہوتا ہے زندگی کے لیے　　اس سے میں خودکشی بناتا ہوں (۱۲)

؎مجھ کو مرے مزاج کی عینک نہ مل سکی　　ایقان میں بھی رنگِ گماں دیکھتا تھا میں (۱۳)

اسحاق وردگ نے اپنے کلام میں غزل کے جدید رنگ پر مشتمل مضامین باندھے ہیں۔ وہ اس ضمن میں ظفر اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ظفر اقبالؔ اردو غزل گوئی کے دورِ جدید سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کی انفرادیت لفظوں کی تکرار، انوکھے موتی آہنگ سے نغمگی اور منفرد انداز میں قافیہ اور ردیف کا استعمال ہے۔ ظفر اقبال کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر اپنے مضمون، "پاکستان میں ادبی تجربات اور نئے رجحانات" میں لکھتے ہیں:

> "ظفر اقبال بہت اچھے غزل گو تھے پھر نہ جانے کیا ہوا کہ انہوں نے لسانی سانچے توڑنے کی ٹھانی، چنانچہ "گلافتاب" اور بھارت میں چھپنے والی" رطب ویابس" میں شعوری طور پر الفاظ میں بد آہنگی سے غزل کو صوتی تنافر کا نمونہ بنا کر رکھ دیا۔ یوں کہ غزل ٹین میں کھڑکتے پتھروں میں تبدیل ہو کر رہ گئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ "تائب" ہو چکے ہیں۔ اور گزشتہ دو تین سالوں سے غنایت سے بھرپور شعر کہہ رہے ہیں۔ (۱۴)

اسحاق وردگ، ظفر اقبالؔ کی تقلید میں جدت پسندی کی روش پر گامزن ہیں مگر وہ کسی ایسی شعری لسانی تحریک کا حصہ نہیں بننا چاہتے جو ابلاغ کے تصور کو معدوم کر دے۔ وہ نامانوس الفاظ اور سخت کھردرے لب ولہجے سے اجتناب برتتے ہیں۔ وہ غزل کی اپنی ہیت، روایت اور سلاست وروانی کو مقدم جانتے ہیں۔ وہ کھلی فضا میں اپنے شعری تجربات کو قاری کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک کشادہ قلبی اور جمود کا ٹوٹنا ایک تہذیبی عمل ہے۔

قدیم موضوعات، فرسودہ، مضامین کی جگہ جدید موضوعات اور تازہ مضامین کو غزل کے پیرائے میں بیان کرنا ہر غزل گو شاعر کا شیوہ نہیں رہا۔ کلاسیکی روایت کی اسیری اور لگے بندھے موضوعات کو مخصوص لفظیات کے دائرے میں قافیہ اور ردیف کی پابندی کے ساتھ بیان کرنے کو قدامت پسند شعراء غزل گوئی کا نام دیتے ہیں۔ مگر جدید طرز زندگی کی طرح جدید طرز شاعری کے خواہاں تخلیق کاروں کے ہاں تغیر و تبدل کا عمل مرغوب ہے۔ جہاں اردو زبان، فارسی اور عربی کے اثرات سے آگے بڑھی وہاں انگریز فاتحین کی زبان انگریزی زبان کے الفاظ کا استعمال اکبر الہ آبادی اور حسرت موہانی نے بڑی فنی مہارت کے ساتھ کیا۔ مگر ناصر شہزاد نے انگریزی الفاظ کے استعمال کے بارے میں وثوق سے کہا:

مجھے یہ دعویٰ ہے کہ انگریزی الفاظ کو اردو غزل میں سب سے پہلے میں نے رقم طراز کیا۔

؎سن کر ملن کا موہنا سندیس فون پر　　دل ریجھ ریجھ سا گیا اس نرم ٹون پر (۱۵)

اسحاق وردگ نے بھی لسانی تجربات کے ضمن میں انگریزی زبان کے الفاظ کو نہایت مہارت کے ساتھ اپنی غزل کا حصہ بنایا ہے۔ جدید شعریات میں عموماً فکاہیہ شاعری میں اکثر شعراء، انگریزی کے روزمرہ الفاظ کو بطور مزاح یا لطافت وظرافت پیدا کرنے کے لئے قافیہ بندی میں استعمال کرتے ہیں۔

اسحاق وردگ نہایت سنجیدگی سے وہ انگریزی الفاظ جو ہماری بول چال کا حصہ ہیں انہیں اپنے مضامین میں سموتے ہیں۔ کال، مشین، موڈ کرونا، نمبر جیسے الفاظ جب سنجیدہ شاعری میں استعمال کیے جائیں اور وہ سوز و گداز کا ابلاغ بھی کریں تو وہ شاعر کے مزاج کی پہچان بن کر اس کی شعری لفظیات اور لسانی تجربات کے عکاس بھی بن جاتے ہیں۔ درج ذیل اشعار اسحاق وردگ کی فنی مہارت کا ثبوت ہیں:

؎ان سے کہیو کہ کال مت کریو — یہ بھی کہیو کہ رو رہا ہوں میں (۱۶)

؎گھروں سے نکلے تھے زندگی کے لیے — بم دھماکوں میں مرنے والے لوگ (۱۷)

؎دل اس کے التفات پر مائل نہیں رہا — وہ آ گیا تو "موڈ بنانا پڑا مجھے (۱۸)

؎یہ خاص سہولت فقط آپ کی خاطر — مصروف ہمارا کبھی نمبر نہیں ہوتا (۱۹)

؎ذات کے اسم کو ڈی کوڈ "کروں گا پہلے — پھر خرابے کو بناؤں گا ٹھکانہ مرے دوست (۲۰)

زندگی کی حقیقتوں کو بیان کرنے کے لیے شعراء نے مشکل انداز بھی اپنایا ہے اور بوجھل لفظیات سے ان تلخیوں کی وضاحت بھی کی ہے۔ زندگی کی یکسانیت سے تنگ آ کر افسردہ مضامین کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار جدید شعراء کے ہاں جابجا ملتا ہے۔ انفرادی کسک اور مسائل کا بوجھ انسان کو ایک ایسی حالت میں پہنچا دیتا ہے۔ جہاں تڑپ اٹھنا فطری ہے۔ عقل و دانش نے ترقی کی۔ انسان غار کی دنیا سے نکل کر سائنسی انقلابات کی دنیا سے ہوتا ہوا آج اس مقام تک پہنچ گیا۔ طبیعات کے اصولوں کے مطابق زمین، سورج کے گرد چکر لگاتی ہے۔ اور دن ماہ و سال ترتیب پاتے ہیں انسان گردش ماہ و سال میں اپنے اپنے رنج والم، خوشی اور غم سے دوچار ہوتا ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی نے میکانکی ترقی کی سہولیات سے انسان کو مشین سازی کی اہمیت کا احساس دلایا۔ بھاپ سے ریل کی پٹڑیوں پر چلنے والا انجن رکھ دیا، بجلی سے چلنے والا انجن، دنیا بھر میں صنعتی انقلاب نے انسانی طرز زندگی کو ہر میدان میں بدل کر رکھ دیا۔ سائنس نے اوہام پرستی کے دروازے توڑ ڈالے فلسفہ اور منطق کے علاوہ جدید سائنسی اور معاشی و سماجی اصولوں سے آگاہی ہوئی۔ ایسے مشینی دور نے جہاں انسانی اور حیوانی زندگیوں کو آسانیاں مہیا کیں وہاں آدمی کو اس گردش لیل ونہار کی مشین کا ایک پرزہ بنا ڈالا۔ یہ فلسفیانہ موضوع، لسانی تجربات اور شعری لفظیات کے حوالے سے اسحاق وردگ نے نہایت خوبی سے کچھ یوں بیان کیا ہے:

؎عقل والے مشین کہتے ہیں — لوگ جس کو زمین کہتے ہیں (۲۱)

؎آدمی آج ایک پرزہ ہے — زندگی کو مشین کہتے ہیں (۲۲)

جہاں انسان نے ترقی کی گوناگوں منازل طے کیں اور کائنات کو مسخر کرنے کے ارادے باندھے، چاند پر قدم رکھا۔ سیاروں اور ستاروں کی دنیاؤں اور کہکشاؤں سے واقف ہوا۔ زندگی اور موت کے درمیانی عرصے کو سمجھا۔ بیماریوں پر قابو پانے کی ان تھک سائنسی ترقی کی وہاں ایک خوفناک، بھیانک احساس کے تحت ایک دوسرے کے لئے بم، آتشیں ہتھیار، بارود اور میزائل بھی ایجاد کیے۔ مقصد اس جنگ میں خود کو طاقت ور دکھانا تھا۔ کمزور اور غیر ترقی یافتہ ممالک پر، طاقت ور ممالک کا قبضہ اسی صورت میں ممکن تھا جب ان پر دہشت کی فضا مسلط کر دی جائے اور دہشت کی فضا صرف دھماکوں، خونین، ہتھیاروں سے ہی ممکن نہیں بلکہ آفات، بیماریاں بھی خوف کی فضا قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

تمام تر ترقی کے باوجود کالرا، پلیگ اور اکیسویں صدی کا تباہ کن Pandemic کرونا، دنیا کی سماجی، معاشی اور نفسیاتی صورت حال کو اس طرح متاثر کرتا ہے کہ اسحاق وردگ اسے اپنی اردو غزل کا موضوع بناتے ہیں۔ سائنسی طبی ترقی کے باوجود انسان کی بے بسی اور چاروں طرف پھیلے ہوئے خوف کے راج کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

؎ایسی ترقی پر تو رونا بنتا ہے جس میں دہشت گرد کرونا بنتا ہے(۲۳)

سیٹی، انجن، ریل گاڑی اردو غزل میں ناصر کاظمی نے ناسٹلجیا کی علامت کے طور پر ان لفظیات کے استعمال سے ندرت پیدا کی۔ ایک دبیز سوگوار ماحول ماضی کی یاد دلاتا ہوا قاری کو اس منظر میں لے جاتا ہے جہاں دکھ کی ایک لہر تنہائی اور یادِ ماضی کا سبب بن جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

؎ریل کی گہری سیٹی سن کر رات کا جنگل گونجا ہو گا(۲۴)

سیٹی، ریل کی لفظیات کو اسحاق وردگ کچھ اس طرح شعر میں پروتے ہیں کہ ان کے شہر گل پشاور سے اٹک تک سفر طے ہو جاتا ہے۔

؎اس کی سیٹی مجھے ماضی کی طرف لے جائے جس گھڑی ریل "پشاور سے اٹک" جاتی ہے(۲۵)

شاعر اپنے گرد و پیش اور خارجی معاملات سے پہلو تہی نہیں کر سکتا ہے۔ میر و میرزا سے لے کر میراجی تک تمام شعراء اپنے داخلی کیفیات کو خارجی کیفیات کے اثرات سے بچا نہیں سکے۔ داخلیت پسند، قلبی واردات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے اور خارجیت پسند، اپنا رد عمل، جذبات و احساسات کے شعری روپ میں بیان کرتے رہے۔ اپنے وجود کی تلاش میں ہر کسی نے اپنے اپنے طرز فکر کو شعری انداز میں ڈھالا تحریک وجودیت کے مفکرین تقسیم ہوئے ان کے نظریات وجودیت کسی ایک تعریف پر متفق نہ ہو سکے۔ قاضی جاوید کے مطابق:

"وجودیت کی تعریف کرنا نہ صرف مشکل بلکہ خود وجودی نقطہ نظر کے خلاف ہے کیوں کہ تعریف کا مطلب جوہر کا بیان ہے اور وجودیت انسان کے کسی جوہر کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے"(۲۶)

بہر کیف اسحاق وردگ وجودیت کے ضمن میں اپنی شعری لفظیات کے ذریعے انسان کے انفرادی وجود، اس کی تنہائی، اس کی Existance اور اس "عالم ہو" میں بے ترتیبی اور فنا پذیری جیسے اہم تصورات کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ وجودیت فلسفہ ہے یا روایتی فکر قاری ان الجھنوں سے ہٹ کر ان خیالات و سوالات میں خود کو گم پاتا ہے۔ جو ان کے مندرجہ ذیل اشعار میں اٹھائے گئے ہیں۔ پوری غزل میں ایک مسلسل کیفیت عیاں ہے:

؎میں خالی گھر میں بھی تنہا نہیں تھا کہ جب تک آئینہ ٹوٹا نہیں تھا

؎زمین پر چار سو تنہائیاں ہیں فلک پر میں کبھی تنہا نہیں تھا(۲۷)

اپنی ذات کی الجھنیں انسان کو تنہائی کی قید میں گرفتار کر دیتی ہیں۔ ذات، فلک، روشنی شام کی لفظیات وہ علامتیں بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں جن سے شاعر کے فلسفہ حیات کی ترسیل ہوتی ہے۔ مثلاً

فلک کے پار اسے روشنی بلاتی تھی وہ اس پکار پر چلتا ہوا ملا مجھ کو(۲۸)

؎ہیں وہ فکر وجودیت کے نشان نوجوانی میں مرنے والے لوگ(۲۹)

غرض یہ کہ اسحاق وردگ کی غزل پڑھ کر اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ ایک اچھا غزل گو، کا روایت کے حسن کو نکھارتے ہوئے اپنی شعری لفظیات کے ذریعے دقیق خیالات کو خارجی مظاہر، داخلی کیفیات اور حسن فطرت کے درمیان ایک لڑی میں پرو کر غزل کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ شاعر کا ڈکشن (لفظیات) اس کی پہچان بن جاتا ہے۔ لہجے کی تاثیر میں اضافے کی غرض سے کلاسیکی شعراء کی روایت پر چلتے ہوئے

جدید شعرا نے فارسی اور عربی زبان کے الفاظ اور تراکیب استعمال کی ہیں۔ بلاشبہ اس طرزِ سخن سے غزل کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے مگر پر تصنع غزل ایک سادہ، رواں دواں غزل کی نسبت ابلاغ سے محروم رہتی ہے۔ خاص کر رومانویت کی فضا، فلسفوں، بلیغ استعاروں اور تشبیہوں کا بوجھ نہیں سہار سکتی۔ جدید شعری لفظیات، روحانی بصیرت، inner consciousness (باطنی شعور) اور شاعر کے تخیل کی وسعت میں بلند و بانگ لہجہ اور پر شکوہ الفاظ پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ جدید شعری لفظیات میں استعاروں، تشبیہوں اور علامات کا نادر اور مسحور کن نظام موجود ہے۔ فارسی زبان کی تراکیب اور عربی زبان کے الفاظ اسحاق وردگ کی شاعری میں لسانی تجربات کی صورت میں ابلاغ کی آسانیوں کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ تلمیحات کا استعمال آسان لفظیات کے ساتھ کچھ اس طرح اثر پذیر ہوتا ہے:

؎ عشق میں تھوڑی سہولت تھی — حضرت قیس کے زمانے میں (۳۰)

؎ سنا ہے یوسف ثانی وہاں نہیں آیا — سنا ہے ختم وہ بازار ہونے والا ہے (۳۱)

مجموعی طور پر اسحاق وردگ کی غزل میں ان کی شعری لفظیات (Poetic Diction) کی سادگی اور برجستگی نے انہیں منفرد انداز بیان کا حامل شاعر بنا دیا ہے۔ وہ اپنے لسانی تجربات میں اس لیے کامیاب ٹھہرتے ہیں کیوں وہ شعری لفظیات کا برتاؤ جانتے ہیں۔ ان کے لسانی تجربات میں کسی غیریت کا احساس نہیں ہوتا اور وہ اردو زبان کے ساتھ پیوستہ نظر آتے ہیں۔ پرویز ساحر، اسحاق وردگ کی فنی مہارت لفظوں کا چناؤ اور لسانی تجربات کا نچوڑ اس طرح پیش کرتے ہیں:

> "اس میں کوئی کلام نہیں کہ اسحاق وردگ نے باطنی بصیرت innervision کے بل پوتے پر ہنر کارانہ مساعیاں کرتے ہوئے قطعی شاعری (Essential poetry) تخلیق کی، جو انہیں سنجیدہ ادب میں نمایاں ادبی مقام دلانے کے لیے بہت ہے، یوں کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اسحاق وردگ موجودہ دور میں مئے خانہ عرفان کے رندِ سبونوش ہیں اور شہر گل پوش (پیش آور) کے گل فروش ہیں" (۳۲)

غزل کی نرم روی اور رومانوی طرزِ ادا سوز و گداز پر مبنی فضا، اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ سخت اور ناہموار لفظیات کا نظام، غیر مبہم لسانی تجربات کے ذریعے قائم نہ کیا جائے کیوں کہ اس طرح حساسیت اور جذباتیت کا بیان محض ایک پیوند کاری معلوم ہوگا۔ جدید شعریات میں جدت طرازی کے اسلوب سے مزین، اسحاق وردگ کی غزل میں ایک توازن پر مبنی خوش گوار رجحان، جدید شعری لفظیات اور لسانی تجربات انہیں اردو غزل کے عالمی منظر نامے پر نئی شناخت دلاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ڈنکن فاربس، انگلش اردو ڈکشنری (حصہ دوم) (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص:۱۳۵

۲۔ تحسین فراقی، "پیش گفتار" مشمولہ "ذرا بارش کو تھمنے دو" از امین راحت چغتائی (راولپنڈی: فیض الاسلام پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، ص:۸

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، "تنقیدی دبستان" (لاہور: سنگ میل، پبلی کیشنز، ۲۰۱۶)، ص:۹۸

۴۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے" (پشاور: انجمن جدت پسند مصنفین، ۲۰۲۱ء)، ص:۹۴

۵۔ محمد حسین آزاد، "آبِ حیات" (لاہور: خزینہ علم و ادب اردو بازار، ۲۰۰۱ء)، ص ۳۱

۶۔ رفیع الدین ہاشمی، "اصنافِ ادب" (لاہور: سنگ میل، پبلی کیشنز ۲۰۰۸ء)، ص ۳۴

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، "غزل کے رنگ" (لاہور: مقبول اکیڈمی ۲۰۰۹ء)، ص ۷۳

۸۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے"، ص:۵۷
۹۔ ایضاً، ص:۵۹
۱۰۔ شمس الرحمن، فاروقی "انگریزی الفاظ اردو میں"، مشمولہ، ۸-۳-۲۰۲۴ visited www.teameernews.com بوقت ۲:۰۰ pm
۱۱۔ شاہ روم خان ولی، "عرشِ غزل" (مردان: املاک پبلی کیشنز ۲۰۲۰)، ص ۳۰
۱۲۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے"، ص ۳۸
۱۳۔ ایضاً، ص ۳۵
۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص ۵۳
۱۵۔ ناصر شہزاد، "بن باس" (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۳۵
۱۶۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے"، ص ۷۹
۱۷۔ ایضاً، ص ۸۲
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۴۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۴۷
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۴۸
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۸
۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴۹
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۶
۲۴۔ ناصر کاظمی، "دیوان" (لاہور: مکتبہ خیال، اپریل ۱۹۸۱ء)، ص ۲۲
۲۵۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے"، ص ۲۸
۲۶۔ قاضی جاوید، "وجودیت" (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء)، ۸۲-۸۱
۲۷۔ اسحاق وردگ، "شہر میں گاؤں کے پرندے"، ص ۴۱
۲۸۔ ایضاً، ص ۴۸
۲۹۔ ایضاً، ص ۶۴
۳۰۔ ایضاً، ص ۵۱
۳۱۔ ایضاً، ص ۵۲
۳۲۔ پرویز ساحر، "اسحاق وردگ، شہر گل پوش کا گل فروش"، مشمولہ، "شہر میں گاؤں کے پرندے" (شعری مجموعہ)، از اسحاق وردگ (پشاور: انجمن جدت پسند مصنفین، ۲۰۲۲ء)، ص ۲۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Duncan Forbes, English Urdu Dictionary, part 2 (New Delhi: National Council for Promotion of Urdu Language, 1998), p:135.
2. Tehseen Firaqi, "Pesh Goftar," in Zara Barish Ko Thamne Do, by Amin Rahat Chughtai (Rawalpindi: Faiz ul Islam Publishers, 2011), p:8.
3. Dr. Saleem Akhtar, Tanqidi Dabistan (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2016),p: 98.
4. Ishaq Wardag, Sheher Mein Gaon Ke Parinday (Peshawar: Anjuman-e-Juddat Pasand Musanifeen, 2021),p: 94.

5. Muhammad Hussain Azad, Aab-e-Hayat (Lahore: Khazina Ilm-o-Adab, Urdu Bazar, 2001),p31
6. Rafiuddin Hashmi, Asnaf-e-Adab (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2008), p:34.
7. Dr. Anwar Sadeed, Ghazal Ke Rang (Lahore: Maqbool Academy, 2009),p: 73.
8. Ishaq Wardag, "Sheher Mein Gaon Ke Parinday," p:57.
9. Ibid., p:59.
10. Shamsur Rahman Faruqi, "Angrezi Alfaz Urdu Mein," (link unavailable) (accessed March 8, 2024).
11. Shah Room Khan Wali, Arsh-e-Ghazal (Mardan: Malak Publications, 2020), p:30.
12. Ishaq Wardag, "Sheher Mein Gaon Ke Parinday," p:38.
13. Ibid., p:35.
14. Dr. Saleem Akhtar, Urdu Adab Ki Mukhtasir Tareekh (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1993), 53p:.
15. Nasir Shehzad, Banbas (Lahore: Alhamd Publications, 2004), p:35.
16. Ishaq Wardag, "Sheher Mein Gaon Ke Parinday," p:79.
17. Ibid., p:82.
18. Ibid., p:146.
19. Ibid., p:47.
20. Ibid., p:148.
21. Ibid., p:149.
22. Ibid., p:36.
23. Nasir Kazmi, Deewan (Lahore: Maktaba-e-Khayal, April 1981), p:22.
24. Ishaq Wardag, "Sheher Mein Gaon Ke Parinday,"p: 28.
25. Qazi Javed, Wujoodiyat (Lahore: Fiction House, 2010), p:81-82.
26. Ishaq Wardag, "Sheher Mein Gaon Ke Parinday," p:41.
27. Ibid., p:48.
28. Ibid., p:64.
29. Ibid., p:51.
30. Ibid., p:52.
31. Parvez Sahir, "Ishaq Wardag: Sheher Gul Posh Ka Gul Farosh," in Sheher Mein Gaon Ke Parinday, by Ishaq Wardag (Peshawar: Anjuman-e-Juddat Pasand Musanifeen, 2022), p:29.